R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۴-۶۶

ٹیلی فون ۔ ۹...
قیمت تین پیسے سالانہ
فی پرچہ ... نئے پیسے

| ۸ اپریل ۱۹۶۶ء | ایڈیٹر آل احمد سرور | جلد ۲۵۔ شمارہ ۱۴ |
|---|---|---|

اداریہ

## ایک خطرناک میلان

اردو دوستوں کو حکومت سے یہ بجا شکایت ہے کہ اس نے ابھی تک اردو کے جائز حقوق کو تسلیم نہیں کیا۔ ان حقوق کو نظر انداز کرنے سے صرف اردو زبان کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ جمہوریت کی روح اور دستور کے تقاضوں کے ساتھ بھی بے انصافی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں اکثریت بھی اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتی۔ اس کا فرض تھا کہ وہ جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق اقلیت کو مطمئن کرتی۔ اردو دوست برابر اپنی شکایات پیش کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہر موقع پر اپنی آواز بلند کی ہے۔ سنجیدہ حلقوں سے ان کی آواز کی تائید بھی ہوئی ہے۔ بعض ریاستوں میں پہلے سے بہتر حالت ہے اور کچھ سہولتیں دی بھی گئی ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ جو ہوا ہے وہ بہت کم ہے اور ابھی یہ خطرہ باقی ہے کہ اردو کی ترقی تو در کنار، اس کی بقا بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ اس لیے جہاں اردو دوستوں کا فرض یہ ہے کہ وہ تمام محبان وطن اور جمہوریت کے پرستاروں کو اپنا ہم خیال بنائیں اور تمام سیاسی پارٹیوں سے اپنے مطالبات کی تائید حاصل کریں، وہاں یہ بھی فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں ابتدائی یا ثانوی اسکول خود کھولیں اور حکومت سے اس کے لیے امداد طلب کریں۔ مگر بعض حلقوں میں اردو کے حقوق کو بھوک ہڑتال یا ستیہ گرہ کے ذریعہ سے منوانے کی اپیل کی گئی ہے یا یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ووٹ صرف انھیں کو دیا جائے جو اردو کے حقوق کو منوانے کا وعدہ کریں۔ بظاہر یہ دونوں باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، مگر ہمارے نزدیک یہ ہمارے مسئلے کو حل نہیں کر سکتیں۔ بھوک ہڑتال اپنی جگہ قابل قدر چیز ہے مگر اس کے پیچھے بہت بڑی اخلاقی اور سماجی طاقت کی ضرورت ہے گاندھی جی نے اس کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ اس کے بعد چند افراد کے سوا اسے ایک سیاسی دباؤ کے طور پر استعمال کیا گیا اور اس سے جو مسئلہ حل ہوا اس کے مقابلے میں زیادہ بہت سے مسئلے کھڑے ہو گئے جہاں تک صرف اردو کے حقوق منوانے والوں کو ووٹ دینے کا سوال ہے، وہ موجودہ سیاسی حقائق کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اب چناؤ میں سیاسی پارٹیوں کی اہمیت ہے افراد کی نہیں۔ سیاسی پارٹیوں میں سے ہر ایک کے حکومت بنانے کا سوال ہی نہیں۔ مخالف جماعتوں میں سے دو ایک کی ہی اتنی طاقت ہے کہ وہ حکومت بنانے کا خواب دیکھ سکتی ہیں۔ کئی سیاسی پارٹیوں نے اردو کے ساتھ انصاف کے مطالبے کی تائید کی ہے، مگر صرف ووٹ لینے کے لیے۔ عمل کی دنیا میں ان کا کارنامہ زیادہ تابناک نہیں ہے خود کانگریس جو کہتی ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت نہیں رکھتی اس لیے عوام کو اردو کے قومی رول سے آگاہ کرنا، سیاسی پارٹیوں کو یہ احساس دلانا کہ اردو کے معاملے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور برسر اقتدار پارٹی اور اہم مخالف جماعتوں سے اردو کے مسئلے پر واضح یقین دہانی حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ ووٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے اس طرح اسے ضائع کرنا نہیں۔ ووٹ اس پارٹی کو دینا چاہیے جو سب سے زیادہ قومی مفادات کی حفاظت کر سکے، جمہوریت کے اصولوں پر چل سکتی ہو، اقلیتوں کے حقوق کی ضامن

### اس شمارے میں

بن سکے، اور اس پس منظر میں اردو کے مسئلے کو ایک قومی مسئلہ سمجھ کر اور اردو کو ایک قومی میراث مان کر اس کی بقا اور ترقی کے لیے راہیں نکال سکے، جو فرقہ واریت سے بلند ہو، جس کے پاس اخلاقی معیار ہو جو ہر ووٹ کی خاطر جھوٹے سچے وعدے نہ کرے بلکہ اپنا واضح پروگرام رکھتی ہو اور اس پر عمل کرانے کی صلاحیت بھی۔ زبان کا مسئلہ بہت اہم ہے مگر زبان کے مسئلے کو بھی قومی سیاست کے وسیع پس منظر میں دیکھنا ضروری ہے۔

## ایک مناسب اعتراف

اترپردیش کی حکومت ہر سال ہندی، اردو اور سنسکرت کی کتابوں پر انعامات دیتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ممتاز ادیبوں کو ان کے بلند پایہ کارناموں کی بنا پر خاص انعامات بھی دیتی ہے، امسال پانچ ہزار روپے کا ایک خاص انعام مولانا عبدالماجد دریابادی کو اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا گیا ہے۔

اترپردیش کی حکومت نے یہ بہت اچھی بات کی اور اس کی وجہ سے وہ ہمارے شکریے کی مستحق ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اردو کے نہایت ممتاز ادیب اور انشاء پرداز ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اس خوبی کو مناسب اہمیت نہ دیتے ہوں لیکن ہمارے نزدیک اُن کی یہی حیثیت سب کے نزدیک مسلّم اور متفقہ طور پر مانی ہوئی ہے "بقائے دوام کے دربار" میں اس کی وجہ سے اُن کی جگہ محفوظ ہے مولانا نے فلسفے اور نفسیات کے کئی اہم مسائل سے اردو کو آشنا کیا ہے۔ انھوں نے سوانح نگاری اور ادبی تنقید دونوں کے بڑے قابلِ قدر نمونے پیش کیے ہیں۔ صحافت میں بھی ان کا کارنامہ بڑا وقیع ہے اور ان کے شذرات، اپنے اسلوب بیان خصوصاً طنز کی وجہ سے ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ اب اشارے سے اس طرح کام لینے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔ مولانا آج کے سماج کے اکثر شکوہ سنج رہتے ہیں۔ اس لیے اور بھی ہم اس اعتراف پر خوشی محسوس کرتے ہیں اور اس پر حکومت کو اور مولانا کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اس اعتراف سے مولانا کا ادبی رتبہ نہیں بڑھا، ہاں اس حکومت کی قدر شناسی کا تھوڑا سا ثبوت تو ملا جو اردو زبان کے حقوق کے معاملے میں بہت بے پروا ہے۔

---

## سیر بین

فلی پین کے صدر مارکوس نے اپنی کابینہ کے وزیروں پر سو دن [illegible] لگا دی کہ وہ تقریریں نہ کریں تاکہ اپنے سرکاری کاموں [illegible] انھوں نے پابندی کی مدت فلی پین کی [illegible] تک بڑھا دی ہے۔ اگر ہمارے یہاں [illegible] جائے تو ہر طرح قوم کا فائدہ ہو گا۔

وزیر اپنے منصبی کاموں پر زیادہ توجہ کر سکیں گے، عوام بہت سی طول طویل اور اکثر غیر ضروری تقریریں سننے سے بچ جائیں گے۔ وہ توانائی جو تقریریں کرنے اور تقریریں سننے میں ضائع ہوتی ہے وہ مفید کاموں میں صرف ہو سکے گی اور پھر بہت کچھ کہنے کے باوجود کچھ نہ کہنے کے آرٹ کو ترقی نہ ہو سکے گی۔

---

فرانس میں کسی جگہ امتحان ہو رہا تھا۔ ایک لڑکے کو نگراں نے بار بار اپنے کالر پر منہ رکھ کر کچھ بڑبڑاتے دیکھا۔ امتحان کے کمرے سے کچھ دور ایک صاحب کو ایک بکس میں کچھ باتیں کرتے بھی پایا گیا، تحقیق سے پتہ لگا کہ صاحبزادے ایک آلہ لگائے ہوئے تھے اور باہر اپنے باپ سے اس کے ذریعہ سے ربط قائم کیے ہوئے تھے صاحبزادے سوال بتاتے تھے۔ ابا جان جواب لکھوا دیتے تھے۔ دونوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں ایسی واردات تو ابھی تک نہیں ہوئی، ہاں چاقو دکھا کر نقل کرنے کی اور نگراں استادوں کو جان تک سے مار دینے کی خبریں ضرور اخباروں میں دیکھنے میں آئیں۔ فرانس میں ایسے طالب علم جدید ترین ایجادات سے کام لیتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں نقل کی دھمکی، مار پیٹ اور چھری چاقو کے استعمال کے پرانے طریقے رائج ہیں۔ اب تو کالجوں کے اساتذہ امتحان کی نگرانی کرتے ڈرتے ہیں اور کبھی کبھار پولیس کی نگرانی میں امتحان کرانا پڑتا ہے۔ دیکھیے ان حالات کی کب اصلاح ہوتی ہے۔

---

فرانس اور اسپین کی سرحد پر ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے سربراہ نے فرانس کی حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہاں کی تیس لاکھ کنواری عورتوں میں سے کچھ کو اُن کے علاقے میں بھیج دیا جائے، کیونکہ اس علاقے میں کنوارے مردوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور وہ وہاں کی آبادی کے لیے ایک مسئلہ بنتے جا رہے ہیں۔

خیال اچھا ہے اس سے نہ صرف کچھ کنوارے مردوں کا بھلا ہو گا بلکہ کچھ کنواری عورتوں کا بھی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ان عورتوں نے شادی نہ کرنے کی ہی ٹھان لی ہو۔

---

## جشنِ اثر

لکھنؤ ۳۰ مارچ۔ اردو کے مشہور و معروف شاعر نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے انجمن شعرائے لکھنؤ کے زیر اہتمام "جشنِ اثر" سنیچر ۹ اپریل کو کشمیری محلے میں ہو گا۔

جشن کا افتتاح وزیر انصاف سید علی ظہیر اور صدارت پنڈت آنند نرائن ملا، سابق جج الہ آباد ہائی کورٹ، کریں گے۔ (قومی آواز)

حنیف نقوی

# مصحفی کا سنہ ولادت

مصحفی کے سالِ ولادت کے سلسلے میں کافی اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ خود مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں جس کا سنہ تکمیل ۱۲۳۶ ہجری ہے اپنی عمر "قریب ہشتاد سال" بتائی ہے۔[1] اس اعتبار سے ان کی پیدائش ۱۱۵۶ھ کے دو ایک سال بعد کا واقعہ قرار پاتی ہے۔ دیوانِ ششم مرتبہ ۱۲۲۴ھ میں اپنا سن ساٹھ سے متجاوز بتاتے ہیں۔[2] اس حساب سے سالِ ولادت ۱۱۶۴ھ سے ایک دو برس قبل متعین ہوتا ہے۔[3] "مجمع الفوائد" میں لکھتے ہیں کہ تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ لکھنؤ میں مقیم ہوں اور اس وقت میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے۔[4] لکھنؤ میں مصحفی کی آمد کا سال ۱۱۹۸ھ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "مجمع الفوائد" کی تصنیف ۱۲۲۸ھ کے قریب ہوئی ہے۔ چونکہ اس وقت عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی اس لیے سنہ پیدائش ۱۱۶۸ھ کے قریب طے پاتا ہے۔ گویا اپنے ایک بیان کے بموجب مصحفی ۱۱۵۶ھ کے ایک دو سال بعد، دوسرے کے مطابق ۱۱۶۴ھ سے دو ایک برس پہلے اور تیسرے بیان کی رو سے ۱۱۶۸ھ سے ایک آدھ سال قبل پیدا ہوئے ہوں گے۔ دیوانِ ششم کے دیباچے میں عمر کی صراحت سے قبل یہ بیان بھی موجود ہے کہ "تولد من در احمد شاہی است"۔ اس بیان سے امیر احمد علوی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مصحفی احمد شاہ کے دورِ حکومت (۲ جمادی الاول ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۷۴۸ء — ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ مطابق ۲ جون ۱۷۵۴ء) میں پیدا ہوئے۔[5] اس کے بعد انھوں نے ریاض الفصحا اور دیباچہ دیوانِ ششم کی مختلف فیہ روایتوں میں مطابقت کی غرض سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سالِ ولادت ۱۱۶۱ھ کے قریب سمجھنا چاہیے۔ یہ استدلال اس لحاظ سے تو قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رو سے ۱۲۲۴ھ میں دیوانِ ششم کی ترتیب کے وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کے قریب یعنی ساٹھ برس سے متجاوز اور ۱۲۳۶ھ میں ریاض الفصحا کی تکمیل کے زمانے میں پچھتر سال یعنی اسی برس کے قریب طے پاتی ہے۔ لیکن مجمع الفوائد کی روایت پر اس کا انطباق نہیں ہوتا، کیونکہ اگر ۱۱۶۱ھ کو سالِ ولادت مان لیا جائے تو لکھنؤ میں آمد کے وقت ان کی عمر اڑتیس سال اور وہاں رہتے ہوئے تیس سال سے زائد مدت گزر جانے کے بعد مجمع الفوائد کی تصنیف کے وقت ستر سال کے قریب ہوگی۔ اگر واقعی اس وقت مصحفی کی عمر ستر سال کے قریب ہوتی تو وہ اس کتاب میں یہ لکھنے کی بجائے کہ "حالا سن عمر از شصت متجاوز است" یقیناً یہ لکھتے کہ "حالا سن عمر قریب بہ ہفتاد رسیدہ است"۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مصحفی کے تمام بیانات پر از سرِ نو غور کیا تو یہ بات ذہن میں آئی کہ "احمد شاہی" سے مصحفی نے احمد شاہ کے دورِ حکومت کی بجائے غالباً احمد شاہ ابدالی کے حملے کا زمانہ مراد لیا ہے۔ اس قسم کی مثالیں دوسرے مصنفین کے یہاں بھی بکثرت موجود ہیں، مثلاً میر غلام حسین شورش عظیم آبادی اپنے تذکرے میں نادر شاہ کے حملے کے زمانے کو "بعد نادر شاہی" سے تعبیر کرتے ہیں۔[6] دلی پر احمد شاہ ابدالی کے پہلے حملے کی تاریخ ۲۸ جنوری ۱۷۵۷ء (۷ جمادی الاولیٰ ۱۱۷۰ھ) ہے۔ اسی حملے کے دوران ۲ مارچ ۱۷۵۷ء (۱ جمادی الثانی ۱۱۷۰ھ) کو اس نے نواحِ دلی میں بلبھ گڑھ کا قلعہ بھی فتح کر لیا تھا۔[7] اور مولوی عبد القادر جیت رام پوری کے روزنامچے کے واسطے سے مصحفی کا یہ بیان ہم تک پہنچ ہی چکا ہے کہ ان کی ولادت دلی کے قریب "بلبھ گڑھ" میں ہوئی تھی۔[8] اس لیے اندازہ ہے کہ وہ جمادی الثانی ۱۱۷۰ھ کے دوسرے ہفتے اور مارچ ۱۷۵۷ء کے عشرۂ اول میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

اس قیاس کی روشنی میں جب ہم مصحفی کے دوسرے بیانات پر غور کرتے ہیں تو مسئلہ کافی حد تک سلجھتا ہوا معلوم ہوتا ہے: مجمع الفوائد میں انھوں نے اپنی عمر ساٹھ سے متجاوز اور لکھنؤ میں قیام کی مدت تیس برس سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ گویا ۱۱۹۸ھ میں جب وہ لکھنؤ آئے تو ان کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ ۱۱۷۰ھ کو سالِ ولادت تسلیم کرنے کی صورت میں اس زمانے میں ان کی عمر اٹھائیس سال کے لگ بھگ قرار پاتی ہے جو ان کے اس بیان کے عین مطابق ہے۔ لکھنؤ میں آمد کے وقت عمر کے زیرِ نظر اندازے کی تائید ان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "فارسی نثر و نظم میں نے دلی میں تیس سال کی عمر میں درجۂ کمال حاصل کر لیا تھا، اس کے بعد جب لکھنؤ آیا تو یہاں مولوی مستقیم اور مولوی منظر علی سے علومِ عربیہ کی تحصیل کی۔"[9]

اس تصفیے کے بعد دیباچۂ دیوانِ ششم اور "ریاض الفصحا" میں بیان کیے ہوئے عمروں کے اندازوں کی صحت و تصدیق کا سوال باقی رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ ۱۲۲۴ھ ۱۲۳۴ھ کی اور "قریب ہشتاد" "قریب ہفتاد" کی تصحیف ہے۔ اگر کتابت کی ان غلطیوں کو جو کسی طرح خارج از امکان نہیں، قبول کر لیا جائے تو دیوانِ ششم کی ترتیب کے وقت ان کی عمر یقیناً ساٹھ سے متجاوز چونسٹھ سال اور

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۳)

---

[1] ریاض الفصحا ص ۲۸۸

[2] بحوالہ ماہنامہ نگار "مصحفی نمبر" طبع ثانی ص ۳۹

[3] مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور بحوالہ "تحقیقی مطالعے" از عتیق کاکوروی ص ۹۷ و ۹۸

[4] "مقدمہ" ص ۱۲

[5] نگار "مصحفی نمبر" طبع ثانی ص ۳

[6] دیباچہ "تذکرہ شورش" نسخہ جونپور بحوالہ "بازیافت" از ڈاکٹر محمود الٰہی وغیرہ ترتیب کلیم الدین جلد اول ص ۲۲۱

[7] میری آپ بیتی، مترجمہ نثار احمد فاروقی حاشیہ ص ۱۲ و ۱۳

[8] بحوالہ دستور الفصاحت، مرتبہ عرشی حاشیہ ص ۹۳

[9] "ریاض الفصحا" ص ۲۸۰

عبدالقوی دسنوی

# جگر مرادآبادی کا ایک سہرا

جگر مرادآبادی کا تعلق بھوپال سے بہت گہرا تھا۔ ان کی سوانح حیات بھوپال کے تعلق اور زندگی کو نظرانداز کرکے مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ پہلی بار ۱۹۳۲ء میں بھوپال تشریف لائے اور پھر تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا۔ بھوپال کا ادبی ماحول ان سے کافی متاثر تھا اور ان کا دلدادہ بھی۔ انھوں نے یہاں کی محفل شعر و شاعری میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی تھی جس کی تفصیل میں نے "جگر بھوپال میں" کے عنوان سے مجلہ سیفیہ (سیفیہ کالج اردو میگزین) میں تحریر کی ہے۔ دراصل بھوپال میں کھینچ کر انھیں لانے والی شخصیت نواب زادہ رشید الظفر خاں صاحب کی تھی۔ جو جگر کے بہت بڑے قدردان تھے اور ان کا ہر طرح خیال رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب جگر نواب زادہ کی تقریب شادی میں شریک ہوئے تو ایک طرف دوستی، خلوص اور محبت کا تقاضہ تھا کہ وہ اس خوشی اور مسرت کے موقع پر اپنی خوشیوں کا بھی اظہار کریں تو دوسری طرف ان کی خودداری مانع آ رہی تھی لیکن جذبہ محبت غالب آیا اور انھوں نے اس مبارک موقع پر "سہرا" لکھا۔ جو لیعہ میں ۲۰/جولائی ۱۹۴۵ء کے ندیم میں شائع ہوا۔ ندیم کا یہ شمارہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ حکیم قمرالحسن صاحب (مدیر روزنامہ ندیم بھوپال) کی کوششوں سے اب حاصل ہو گیا ہے۔ سہرا حسب ذیل ہے:

جگر! رشید الظفر میاں کو یہ نگیوں سازگار سہرا
لکھا ہے پڑھ کر درود تیم بنام پروردگار سہرا
ہزار گلہائے تر کے سہرے اور ان میں اک نگار سہرا
کہ جیسے سہروں کی انجمن میں ہے تاجدار سہرا
سنائے یا مطرب محبت اسی طرح بار بار سہرا
تمام حسن و شباب نوشہ تمام باغ و بہار سہرا
بنا ہے نوشہ کے رخ سے مل کے اس طرح شاہکار سہرا
کہ جیسے خود باغبان فطرت کے ہاتھ کا شاہکار سہرا
ترے سراپا کا میں نے لکھا عجب سراپا بہار سہرا
کہ تو ہے دریائے حسن و خوبی تو اس کا آئینہ دار سہرا
نشاط اندر نشاط محفل جمال اندر جمال منظر
قطار اندر قطار جلوے بہار اندر بہار سہرا
حجاب اس حسن کا کہاں ہے عجیب عالم عجیب ساں ہے
تجلیاں رخ پہ ہیں تصدق تجلیوں پہ نثار سہرا
پڑے دوروں کی محبتوں کی کشاکشیں بھی ہیں کیا قیامت
ادھر بھی بے قرار سہرا ادھر بھی ہے بے قرار سہرا
اگر چہ منظور دل کچھ حجاب نہیں ہے کوئی کہہ سے
بلائیں لے لے کے چشم و عارض کی بن گیا غمگسار سہرا

روا ہے انجم پہ اپنے تاباں اگرچہ ہے کہکشاں بھی لیکن
کہاں وہ بے ربطی تسلسل کہاں یہ باغ و بہار سہرا
حیا و شوخی کے پاک جذبات تو بہ تو کی ہے سحرکاری
ابھی گوہر تاب تھا جو سہرا وہی ہے اب زرنگار سہرا
جو مادر مہرباں کی آنکھوں میں اشک شکر ہے صبح کی سی
دل برادر کے واسطے بھی ہے آبرو نو بہار سہرا
خوشا کہ ہے شہریار دولہن تو چشم جواں نسبت
بجا ہے کہئے تمام سہروں کا اس کو گر شہریار سہرا
خود آج ثریا روائے بھوپال مسند آرائے انجمن ہیں
تو کیوں نہ ذی مرتبت ہو جو یہ کیوں نہ ہو ذی وقار سہرا
حضور نواب کی زباں پر بھی ہو یہ مصرعہ تو کیا تعجب
کہ بھائی مرحوم کی نشانی کا ہے یہ اک یادگار سہرا
عجیب نسبت ہے یہ دولہن کی کہ بڑھ گئی آبروے چمن کی
رخ ثریا تلک آتے آتے بنا ثریا وقار سہرا
خوشا یہ تکمیع روح پرور ہے یہ اجمال معرکہ تر
ضیائے خورشید و ظل سلطاں سے رحمت کردگار سہرا
ہوائیں رحمت کی چل رہی ہیں دعائیں دل سے نکل رہی ہیں
بندھے سعید الظفر میاں کے بھی سر پہ اک زرنگار سہرا
جگر سب احباب کی نگاہیں اگر نہ بروقت کام آئیں
تو کیا یہ شک ہے کہ بن نہ جائے نظافت رخ پہ بار سہرا

---

۱ ثریا جاہ قمرالدین بیگم صاحبہ شہریار دولہن کی والدہ محترم جناب نواب زادہ صاحب

۲ اعلیٰ حضرت سکندر صولت افتخار الملک نواب محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر دام اقبالہ

۳ عالی جناب محسن الملک نواب محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور

۴ رقیہ بیگم جناب ثریا خاتون صاحبہ (فردوس) دام اقبالہا

۵ عالی جناب صاحبزادہ خورشید احمد خاں صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ آئی سی۔ ایس کمشنر جھانسی ڈویژن (خسر)

۶ محترمہ جناب رفیعہ سلطانہ بیگم صاحبہ (خوش دامن صاحبہ)

۷ عالی جناب کرنل نواب زادہ فخرالملک سعید الظفر خاں بہادر

(برادر خرم جناب نوشہ)

# غزلیں

**عمیق حنفی**

ہم کو جو بیٹھے ہوئے ہیں اپنے سر کپڑے ہوئے،
آپ ہی زنجیر ہیں اور آپ ہی جکڑے ہوئے۔
شام: پیلی راکھ میں خونِ شفق کا انجماد؛
رات: جیسے خواب بخ بستہ ہوں، دن: اکڑے ہوئے
رنگ کے پہرے ہیں رخساروں کی آب و تاب پر
اور رنگوں کو ہیں زخموں کی لٹیں جکڑے ہوئے۔
رات، کالی رات، پیڑوں کو ہلاتی آندھیاں،
اور ہم بیٹھے عذابِ خواب میں پکڑے ہوئے
دھوپ نے ناخن ڈبوئے ہیں گلوں کے خون میں،
زخم خوردہ خوشبوئیں پھرتی ہیں سر پکڑے ہوئے۔

**انتخاب عالم**

آوازۂ فزا جہاں سب کے لیے ہے　　فطرت کے اشاروں کی زباں سب کے لیے ہے
یکوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں　　یہ سلسلۂ ابرِ رواں سب کے لیے ہے
سورج کی جھلکتی ہوئی کرنوں کی حرارت　　کوندے کے لپکنے کا سماں سب کے لیے ہے
یہ رات کے ماتھے کا دمکتا ہوا جھومر　　افلاک پہ یہ کاہکشاں سب کے لیے ہے
فصلِ گل و بہار کی مہکتی ہوئی بستیاں　　اور کیفیتِ بادِ خزاں سب کے لیے ہے
پر توشۂ گندم سے جو فاقہ زدوں کو
وہ نشۂ پرکیف کہاں سب کے لیے ہے

**دُرّانی آفریدی**

ہم نصیبوں جلے، جل بجھے ہیں یہاں
اور کچھ پیڑ پودے لگا باغباں
کوئی تریاق کیا کام آئے یہاں۔
زندگی زہرِ غم ہے مرے مہرباں
میری سانسوں میں بس جائے خوشبو تری
تیرے سینے پہ کھلتے رہیں گلستاں
زندگی نے سکوں ہی نہ پایا کہیں؛
زندگی نے دیے کتنے ہی امتحاں
تیرے ہم شغل و ہم فکر کچھ بھی سہی !
کوئی تجھ سا ملا ہی نہیں میری جاں
راہ تو نے دکھائی کچھ اس رنگ سے،
راہ میں رہ گیا عشق کا کارواں۔
عشق بھی اور پھر عشق کی آگ بھی
جل رہا ہے چمن، اٹھ رہا ہے دھواں
ہم بھی رہتے ہیں ظالم ترے شہر میں
ہم بھی سنتے ہیں ظالم تری داستاں

# غالب کی شخصیت پر خوشی اور غم کی پرچھائیاں تھیں

## ۱۸ ویں نفسیاتی کانفرنس میں تجزیہ

نئی دہلی ۲۹ / اپریل چنڈی گڑھ کے پوسٹ گریجویٹ نفسیاتی تحقیق کے انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر این این وِگ اور ڈاکٹر پرکاش ورما نے اس احساسِ نامرادی کا جائزہ لیا ہے جو اکثر فنکاروں اور افراد پر چھایا ہوا ہے۔

ڈاکٹر وِگ نے غالب کی شخصیت کو دائرہ میں گردش کرنے والی قرار دیتے ہوئے کہا کہ غالب پر خوشی اور غم کی پرچھائیں برابر پڑتی رہتی تھیں ان کی غزلوں میں یہ متضاد جذبے برابر ابھرتے تھے ان غزلوں کے مطالعہ سے ان کی شخصیت اور نامرادی کے احساسات کا معالجاتی تجزیہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی زندگی میں شدید نامرادی کا احساس ۱۸۴۷ء کے بعد بہت بڑھا جب وہ جوا کھیلنے کے الزام میں پکڑے گئے تھے اس کے بعد انھوں نے غالباً لکھا تھا:

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی
پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی

ڈاکٹر وِگ کو غالب کا ایک خط ملا ہے جو جنوری ۱۸۵۲ء میں لکھا گیا تھا اس میں ایک ایسا جذبہ ہے جو ایک مریض کا معالج سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وِگ کا کہنا ہے کہ غالب کبھی کسی دماغی مرض کا شکار نہیں رہے متضاد احساس و جذبات کی شخصیت شاید اس لیے بنی کہ ان کا چھوٹا بھائی پاگل ہو کر مرا۔ پانچ برس کے تھے کہ باپ کا اور نو برس کے تھے کہ چچا کا انتقال ہو گیا ایسا لگتا ہے کہ باپ کی موت نے ان پر گہرا نفسیاتی اثر ڈالا تھا۔

### فارسی کا ذوق کیوں

ڈاکٹر وِگ نے لکھا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس، اونچی ٹوپی کے استعمال اور فارسی زبان سے غیر معمولی دلچسپی بے سبب نہیں رکھتے تھے بلکہ ایرانی روایات کے احترام سے اپنے مرحوم والد کو احترام کی علامت بتاتے تھے جو باہر سے آئے تھے۔

ڈاکٹر وِگ نے کہا کہ مسرت اور رنج دونوں جذبات کی چھاؤں میں غالب کی ایک شاندار شخصیت ابھرتی تھی۔ اگر وہ ایک وقت ذوق کے سہرے کا مذاق اڑاتے تھے تو دوسری طرف یہ بات بھی مان لیتے تھے کہ وہ ذوق سے کمتر شاعر ہیں در اصل بچپن میں بزرگوں کی موت نے عدم تحفظ کا جو احساس دیا تھا اس کی وجہ سے وہ اکثر کمزوری کا ثبوت بھی دیتے تھے۔

انھوں نے کہا ایک طرف وہ یار باش، خارجیت پسند بھی تھے اور بار بار عیش کوشی کے عالم وہ بادہ نوشی کے نظریہ کے پیرو تھے اور دوسری طرف ایک مذہب پرست ہونے کے اثرات سے وہ سنجیدہ اور متین بنے رہتے تھے۔ مجموعی طور پر وہ زندگی سے ناخوش اور غم زدہ تھے۔

(قومی آواز)

---

مراسلات

## ۶½ یا ½۶

آپ نے ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے ایک خط کا اقتباس اپنی ۲۲/ مارچ کی اشاعت میں دیا ہے جس میں یہ بحث ہے کہ ساڑھے چھ کو ½۶ یا ۶½ لکھنا چاہیے۔ بظاہر ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے ½۶ کے حق میں ہے اور آپ کی رائے ۶½ کے حق میں ہے میں ہمیشہ ½۶ لکھتا ہوں اور آپ کی اس دلیل سے متفق نہیں ہوں کہ انگریزی چونکہ بائیں سے داہنی جانب لکھی جاتی ہے لہٰذا اس میں ½۶ درست ہے اور اردو چونکہ داہنی سے بائیں جانب کتابت ہوتی ہے اس لیے ۶½ درست ہے۔

غالباً یہ بات جناب کے خیال شریف میں نہیں آئی کہ انگریزی میں ½۶ کو تو six and a half کہتے ہیں لیکن جب ½۶ بجے لکھیں گے تو عبارت ہوگی half past six یعنی آدھے کا ذکر پہلے ہے ہماری زبان میں دونوں صورتوں میں ساڑھے چھ کہا جاتا ہے چاہے ساڑھے چھ روپے ہوں یا ساڑھے چھ بجے کا وقت اور یہ ظاہر ہے کہ اصولاً جس لفظ کا تلفظ پہلے ہو وہ پہلے آنا چاہیے ساڑھے چونکہ پہلے آتا ہے لہٰذا ½ پہلے ہونا چاہیے اور چھ اس کے بعد۔ البتہ ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے پیش کردہ اس ابہام کو کہ ۵½ سے مراد سوا پانچ ہے یا پونے پانچ میں ان کی قوتِ تخیل اور ... پر محمول کرتا ہوں۔

(گوپی ناتھ امن)

## ایک استفسار کے جواب میں

۲۲/ مارچ ۱۹۶۶ء میں ایک غزل کے بارے میں جو استفسار کیا گیا ہے اس کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ یہ غزل حضرت سید امجد علی شاہ صاحب اصغرؔ متوفی ۱۲۳۰ھ کی ہے۔ اس غزل پر میاں نظیر اکبر آبادی نے تضمین کی ہے جو ان کی کلیات مطبوعہ راجہ رام کمار پریس لکھنؤ صفحہ ۱۰ پر "اصغرؔ کی عارفانہ غزل کی تضمین" کے عنوان سے درج ہے۔ حضرت اصغرؔ کا ذکر بحیثیت شاعر نواب شیفتہ کی گلشن بے خار، قطب الدین خاں باطن کی نغمۂ عندلیب اور اسپرنگر کی معیار الشعرا (غالباً یہی نام ہے) اور دوسرے تذکروں میں ہے اور بحیثیت صوفی کے صوفیوں کے تذکروں مثلاً انوار العارفین، سادات الصوفیہ وغیرہ میں ہے۔ حضرت اصغرؔ کا دیوان ۱۲۶۶ھ میں مطبع جام جمشید آگرہ میں دیوان اردو فارسی عجائب غرائب کے نام سے شائع ہوا تھا جس میں فارسی اشعار کی تعداد ۱۳۱۴ اور اردو اشعار کی تعداد ۱۵۰۵ ہے۔ سوال کرنے والے صاحب نے اس میں آخر میں جو شعر درج کیا ہے وہ حضرت اصغرؔ کے دیوان میں اس طرح نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی کچھ اغلاط ہیں۔ پوری غزل یہ ہے۔

جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا
اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
مذکور یہی آیت قرآن میں آیا
گل ہے وہی سنبل ہے وہی نرگس حیراں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا
حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا
مطرب وہی آواز وہی ساز وہی ہے
ہر تار میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا
نزدیک وہ سب سے ہے جہاں اس سے ہے معمور
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا
بے رنگ کے رنگوں کو یہاں دیکھ لے اصغرؔ
سو طرح سے عالم کے خیابان میں آیا

(دیکش اکبر آبادی)

## انجمن اساتذہ اردو کی کل ہند کانفرنس

انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند نے اردو کی تعلیم اور اساتذۂ اردو کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ۸/۹/۱۰/ اپریل سنہ ۶۶ء کو دہلی میں اپنی کل ہند کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔

کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کی صدارت جناب کرنل بشیر حسین زیدی ممبر پارلیمنٹ نے منظور فرمالی ہے۔

امید ہے کہ ہندوستان کی ۴۳ یونیورسٹیوں اور ان سے متعلق ڈگری کالجوں کے اساتذہ اردو اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔

کانفرنس میں اردو تعلیم، اردو نصاب، اردو تحقیق کے مسائل اور جدید ہندوستانی سماج میں اساتذہ اردو کا منصب کے عنوانات کے تحت مقالات پیش کیے جائیں گے۔ جن پر چار مختلف کمیٹیوں میں غور و خوض ہوگا۔ (محمد حسن)

# کاتبوں کی تربیت کا ادارہ قائم ہو

## اسمال نیوز پیپرز انکوائری کمیٹی کی سفارش

نئی دہلی ۲۱ مارچ چھوٹے اخبارات کے بارے میں انکوائری کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی سفارش کی ہے کہ اردو اخبارات کے لیے لیتھو کی طباعت سکھانے اور نئے کاتبوں کی تیاری کا کام خود مرکزی حکومت کے زیر اہتمام ہونا چاہیے۔

کمیٹی نے ہندوستان بھر میں چھوٹے اخبارات سے جو شہادتیں لی تھیں، ان میں اردو والوں نے عام طور پر یہ شکایت کی کہ کاتب ختم ہوتے جارہے ہیں۔ مدھیہ پردیش کے اخبار والوں نے بتایا کہ اب کام زیادہ آمدنی کا نہیں رہا اس لیے نئے کاتب پیشہ میں داخل نہیں ہو رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ قریبی مستقبل میں کاتب نایاب ہو جائیں گے۔

آندھرا پردیش میں اخبار والوں نے کمیٹی سے کاتبوں کی کمی کا شکوہ کیا تھا۔

کمیٹی سے جموں و کشمیر میں بھی اردو اخباروں نے کاتبوں کی کمی کی شکایت کی جہاں جہاں اخبارات کی تعداد بڑھی ہے وہاں اچھے کاتبوں کی کمی کی وجہ سے اخبارات کا ظاہری حسن متاثر ہو رہا ہے۔

### دو اہم سفارشات

انکوائری کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے ۱۱ ویں باب "شمالی کتابت کی سہولیات" میں صفحہ ۱۲۵ پر گیارھویں سفارش میں لکھا ہے کہ اردو کی طباعت ابھی بڑی حد تک لیتھو کے طریقے سے ہوتی ہے۔ لیتھو گرافی ایک دشوار فن ہے اور چند سال پہلے تک آفسٹ اور لیتھو کے ذریعہ بڑی نفاست سے شائع ہوتے تھے، لیکن اردو طباعت کا فن بڑی حد تک بگڑ گیا ہے کیونکہ اب یہ ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو کوئی سائنٹیفک تربیت نہیں رکھتے اور کئی کیمیائی اشیا کا بھدے طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اکثر پالی ٹکنیک اسکولوں میں لیتھو گرافی کی تربیت دی جاتی ہے مگر جو لوگ تربیت پاکر نکلتے ہیں وہ اردو اخبارات اور کتابیں چھاپنے کے اہل ثابت نہیں ہوتے۔ چونکہ لیتھو گرافی اردو رسم الخط کی طباعت کا سب سے زیادہ رائج طریقہ ہے اس لیے اس کا امکان کم ہے کہ قریبی مستقبل میں آفسٹ یا کوئی دوسرا طریقہ اس کی جگہ لے لے۔ یہ سفارش کی جاتی ہے کہ کاتبوں کی تربیت کا ایک اسکول کسی موزوں مرکز پر حکومت ہند کی سرپرستی میں قائم کیا جائے جس میں ریاستوں سے موزوں طلبا کو داخل کیا جائے۔ متبادل طریقہ یہ بھی ہے کہ موزوں مرکزوں میں پالی ٹکنیک اسکولوں میں خطاطی کو تعلیم کا ایک مضمون قرار دیا جائے۔ اس کا نصاب چار یا چھ ماہ کا ہو اور طلبا کے لیے کم سے کم علمی اہلیت ہائی اسکول ہو۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ ترقی کے امکانات محدود ہیں، کاتبوں کو معقول ابتدائی تنخواہ دی جائے۔ ہمارے خیال میں یہ ۱۵۰ روپیہ ماہوار ہونا چاہیے۔

### مشینات طباعت کا مسئلہ

کمیٹی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اردو اخبارات عام طور پر جو لیتھو روٹری مشین یا آفسٹ روٹری مشین استعمال کرتے ہیں، ان کی بھی کمی ہے۔ ان کو بھی ان مشینوں کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے جو اخبارات کی طباعت کو بہتر بنانے کے لیے درآمد کی جائیں۔ کاتب جو سیاہی اور کاپی لکھنے کا کاغذ استعمال کرتے ہیں وہ بھی ترقی اور اصلاح کے محتاج ہیں۔ ان کے سلسلے میں سائنسی تحقیق ہو سکتی ہے۔

### کتابت کی معیار بندی

کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری مزید سفارش ہے کہ اردو کتابت کی معیار بندی کے سوال کا ماہرین جائزہ لیں۔ وہ ایک ایسی ناپ مقرر کریں جو مختلف کاتبوں کی تحریروں میں باہمی فرق کو کم کردے۔ ایسی اصلاحات سے کم جگہ میں زیادہ تحریر آجائے گی اور تحریر ستھری اور پڑھنے میں آسان ہو جائے گی۔

گیارھویں باب کے سلسلے میں کمیٹی کے ایک ممبر اور "قومی آواز" کے ایڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب نے ایک ضمنی نوٹ میں لکھا ہے کہ انکوائری کمیٹی نے پالی ٹکنیک اسکولوں میں کاتبوں کی تربیت اور اردو کتابت کی معیار بندی کی سفارش کی ہے۔ میرے خیال میں اس نکتہ کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

اردو کتابت کی معیار بندی صدیوں پہلے ہوئی جب کہ طباعت اور اخبار ناپید تھے۔ اس وقت قلم کے قط کو ایک اکائی مقرر کر کے حروف کی ناپ اسی کی بنیاد پر مقرر کی گئی۔ اب اگر ہم اس ناپ کی جگہ گراف پیپر کی ناپ مقرر کرلیں تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس طرح مختلف کاتبوں کی تحریروں میں زیادہ اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

حیات اللہ انصاری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ایک اور مسئلہ حروف کے جوڑوں کا ہے۔ اس وقت جس طرح کے جوڑ استعمال ہوتے ہیں وہ سطروں کو اوپر یا نیچے بہت زیادہ گھیر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی میم اتنا نیچا جاتا ہے کہ دوسرے حروف پر چڑھ جاتا ہے اور کبھی مرکز اتنا اونچا ہوتا ہے کہ اوپر کی سطر سے ٹکرا جاتا ہے۔ اگر جوڑوں میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں گی تو اردو کی تحریر میں سطریں خوش نما نظر آئیں گی اور کم جگہ گھیریں گی۔

(قومی آواز)

---

## تصحیح

حافظ عبدالرحیم خاں ٹونکی کا مجموعہ کلام "سیلاب تخیل" حافظ وسیع الدین محمد پیرزادگان جھنجھنوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(ادارہ)

## ریاستی اسمبلی میں سرکاری زبان بل متفقہ طور پر منظور

### لسانی مسئلہ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے پر اظہار تاسف، چیف منسٹر مسٹر برہمانند اریڈی کی تقریر

حیدرآباد، ۲۷ مارچ۔ آندھرا پردیش اسمبلی میں آج انگریزی کی بجائے تلگو کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کے "تاریخی فیصلہ" کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا اور تلگو زبان کو سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے آندھرا کے عوام کی سالہا سال کی جدوجہد کے نتیجہ میں آج تلگو کو ریاست کی سرکاری زبان کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ سرکاری زبان بل کے تحت ریاستی حکومت کو ریاست کے بعض مخصوص علاقوں کی حد تک اردو یا دوسری اقلیتی زبانوں کو بعض مخصوص سرکاری مقاصد کے لیے جیسا کہ نوٹیفیکیشنز میں درج ہوگا استعمال کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔ سرکاری زبان بل میں اردو کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے چیف منسٹر جناب کے برہما نندا ریڈی نے کہا کہ حکومت نے ایک ہی زبان "تلگو" کو سرکاری زبان تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بل کی دفعہ ۳ کے تعلق سے جس میں اردو کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کی بنا پر کہا جا رہا ہے کہ حکومت نے ان زبانوں کو بھی بطور سرکاری زبان تسلیم کیا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔" چیف منسٹر نے بل میں لفظ "اردو" کی شمولیت پر ایوان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہا کہ بل میں لفظ "اردو" کی شمولیت اس کے تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ چیف منسٹر نے زبان اور مذہب کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کے خلاف انتباہ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے صرف زبان کو تحفظ دیا ہے۔ انھوں نے اپنے سابقہ تیقنات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ان برسوں میں اقلیتی زبانوں کو جو کچھ بھی تحفظات دیئے جاتے رہے ہیں وہ آئندہ بھی اسی طرح جاری رہیں گے۔ وزیر قانون جناب پی وی نرسمہا راؤ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ جب کبھی بھی سرکاری زبان بل کی دفعہ ۳ کے تحت مخصوص علاقوں میں مخصوص سرکاری مقاصد کے لیے "اردو" کے استعمال کے سلسلہ میں نوٹیفیکیشنز جاری کیے جائیں گے ان کے ساتھ ہی اسی قسم کے نوٹیفیکیشنز دوسری اقلیتی زبانوں مرہٹی، کنڑی، ٹامل، اور اڑیا کے لیے بھی جاری کیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ اقلیتی زبانوں کو تحفظات دینے میں کسی خاص مدت کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ اس یقین دہانی کے باوجود اپوزیشن ارکان نے بل کی دفعہ ۳ میں اردو کے ساتھ ساتھ دوسری اقلیتی زبانوں کے ناموں کے اندراج کے لیے ترمیم ضروری خیال کرتے ہوئے ووٹنگ کا مطالبہ کیا۔ ترمیم کی تحریک (۳۱) کے مقابلہ میں (۸۸) ووٹ سے ناکام ہوگئی۔ جناب وندے ماترم رام چندر راؤ کے علاوہ جناب راجندر راؤ دیشپانڈے (سوتنتر) جناب ٹینٹی وشوانا تھم (این ڈی) اور جناب پی راجگوپال نائیڈو نے مجوزہ بل کو اور خاص کر دفعہ ۳ کو "غیر دستوری" قرار دینے کی کوشش کی۔ سرکاری زبان بل کی دفعہ ۳ میں کہا گیا ہے کہ ریاستی حکومت وقتاً فوقتاً آندھرا پردیش گزٹ میں شائع ہونے والی نوٹیفیکیشنز کے ذریعہ تلگو زبان کے ساتھ ساتھ اردو یا دوسری کوئی زبان یا زبانوں کو اس زبان یا ان زبانوں کے بولنے والے افراد کے مفاد کے پیش نظر انہی علاقوں اور انہی سرکاری مقاصد کے لیے اتنے ہی عرصہ کے لیے جیسا کہ نوٹیفیکیشنز میں درج ہوگا استعمال کر سکے گی۔

چیف منسٹر نے مباحث کا جواب دیتے ہوئے اقلیتی زبانوں کو ریاست میں دیئے جانے والے تحفظات کی یاددہانی کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتی زبانوں کو پچھلے عرصہ میں دیا جانے والا تحفظ کافی نہیں ہوگا انھوں نے کہا کہ ہم اپنی مادری زبان سے محبت کرتے ہیں۔ اسے اہمیت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمارے لیے یہ بھی اہم ہے کہ دوسری زبانوں کے خلاف تفرقوں کو ابھرنے نہ دیں۔

بل میں اردو کے نام کی شمولیت پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں ریاست کی آبادی اور حالات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ان لوگوں کی تعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اردو زبان بولتے ہیں گو کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اس قسم کی تاریخی حقیقتوں کو اردو کا نام درج کرتے ہوئے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ترمیمات پر عوام کی رائے حاصل کرنے یا اسے جائنٹ سلیکٹ کمیٹی سے رجوع کرنے کی تجاویز مسترد کر دی گئیں۔ دوسری تمام ترمیمات یا تو مسترد کر دی گئیں یا پھر واپس لے لی گئیں۔ تاہم اپوزیشن نے لفظ "اردو" کے بعد مرہٹی، کنڑی، اوڑیا کے الفاظ درج کرنے کی تحریک پر رائے لینے پر زور دیا۔ جو (۳۱) کے مقابلہ میں (۸۸) ووٹ سے مسترد کر دی گئی۔ بعد میں "سرکاری زبان بل" کو تالیوں کی گونج میں متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ (سیاست حیدرآباد)

## سرکاری زبان بل اور اردو کا موقف

### انجمن ترقی اردو کا بیان

حیدرآباد، ۲۵ مارچ۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے سرکاری زبان بل کا جو ۲۲ مارچ کو ۱۹۶۶ء میں پیش کردہ غیر سرکاری، سرکاری زبان بل کی بجائے پیش کیا گیا ہے، بغور جائزہ لیا۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش ریاست کے اردو بولنے والے عوام کو مطمئن کرنے کی حکومت کی کوشش اور سرکاری زبان بل میں دفعات کی شمولیت پر حکومت آندھرا پردیش کی ستائش کی ہے تاہم بل میں اردو کا حوالہ دینے کے انداز

پر انجمن نے اپنی بے اطمینانی اور مایوسی کا بھی اظہار کیا ہے کیونکہ کچھ عرصہ قبل انجمن اور دوسری اردو تنظیموں کی جانب سے غیر سرکاری اسر کاری زبان بل" میں مشترکہ طور پر جو ترمیمات پیش کی تھیں سرکاری زبان بل" میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انجمن کے خیال میں بعض سرکاری مقاصد کے لیے ....... اردو کے استعمال کے لیے مدت کا تعین غیر ضروری ہے اس کی وجہ یہ شبہات ابھرتے ہیں کہ "اردو" کو سرکاری اور دوسرے مقاصد کے لیے عارضی طور پر استعمال کیا جائے گا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ بل کی دفعہ ۸ سے "اور دیے گئے عرصہ کے لیے [illegible] [illegible]" کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش محسوس کرتی ہے کہ سرکاری زبان بل کی دفعہ - غیر موثر ثابت ہو گی۔ اگر اس سلسلہ میں فوری ٹھوس اقدامات نہ اٹھائے جائیں اور ریاست میں اردو کو سابق میں جاری کردہ گورنمنٹ آرڈرس کے ذریعہ دیئے گئے موقف کو قطعی اور یقینی شکل نہ دی جائے۔　　　　(سیاست حیدرآباد)

## راجستھان میں اردو بولنے والے بچوں کو
## اسی زبان میں تعلیم دی جائے

جے پور، ۲۰ مارچ (یو۔ این۔ آئی) خیال ہے کہ راجستھان کے پرائمری اسکولوں میں جولائی سے دوسری علاقائی زبانوں کی تعلیم شروع ہو سکے گی، جو بچے، سندھی، گجراتی، اور پنجابی بولتے ہیں انہیں اپنی مادری زبانوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل سکے گا، علیحدہ زبانیں بولنے والے لوگوں کے خطوط کا جواب ان کی مادری زبانوں میں دیا جائے گا، تمام اہم آرڈر نوٹی فکیشن، لاء اور بائیو لاز کا ترجمہ علاقائی زبانوں میں شائع ہوگا۔ ریاستی سروسز میں ملازمتیں دیتے وقت ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا جب کسی پرائمری اسکول کی کسی جماعت میں دس طلباء یا کسی اسکول میں ۴۰ طالب علم ہوں گے تو ان کو مادری زبان میں تعلیم مل سکے گی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ امداد ان تعلیمی اداروں کو دی جائے گی جو علیحدہ زبانوں کے طلباء کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دیں گے　　　　(الجمعیتہ)

## کیا اردو والوں کو قومی پالیسی سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے
### محکمہ اطلاعات اردو میں نشر و اشاعت کیوں نہیں کرتا

لکھنؤ ۲۳ مارچ محکمہ اطلاعات یو۔ پی کے کارنامے" آج یوپی اسمبلی میں اس وقت بے نقاب ہو گئے جب محکمے کے مطالبات زر پر مباحثے کے دوران ممبروں کے اس محکمے کو وزیروں کے لاوارث چھینٹوں کا یتیم خانہ کے نام سے موسوم کیا۔

نائب وزیر اطلاعات جناب شانتی پرپن شرما کے پیش کردہ محکمہ اطلاعات کے مطالبہ زر پر مباحثے کے دوران اس محکمہ کو بےخبر محکمہ "ناقص اطلاعات کا محکمہ" اور سچائی کو چھپانے والا محکمہ کہہ کر ممبروں نے یاد کیا۔

سابق کمیونسٹ ممبر جناب چندر جیت یادو نے جو اب آزاد ممبر کی حیثیت سے ہیں۔ محکمہ اطلاعات پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے اردو زبان میں نشر و اشاعت کو بند کر دینے پر محکمے کی بری طرح خبر لی۔ جناب یادو نے کہا "یہاں اردو داں بھی رہتے ہیں کیا سیکولرزم سوشلزم اور منصوبہ بندی کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ کیا بنیادی قومی پالیسی کو انہیں سمجھانے کی کوئی حاجت نہیں رہی؟ کیا اردو دانوں کا قومی پالیسیوں کو چلانے میں کوئی ہاتھ نہ ہونا چاہیے؟"

انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ محکمہ اطلاعات شاید اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اردو دانوں کو بھی بنیادی قومی پالیسیوں کو سمجھایا جائے اس لیے اس نے اردو زبان میں نشر و اشاعت بند کر رکھی ہے۔　　　　(قومی آواز)

## مظفر پور میں معین شاہد کے اعزاز میں ایک ادبی نشست

مظفر پور، ۱۳ مارچ ۹۶ء آج یہاں اعجازی ہاؤس میں موجودہ ہفتہ وار کے ایڈیٹر جناب معین شاہد صاحب کے اعزاز میں ایک ادبی نشست ہوئی، جس کی صدارت جناب شاہد الفاظی مراد آبادی نے فرمائی جناب اصغر اعجازی، ایڈوکیٹ نے اپنے مہمان خصوصی جناب شاہد صاحب کا تعارف کرایا۔

جناب اشرف صاحب نے بھی اس موقع پر اپنی مختصری تقریر میں معین شاہد کی ادبی زندگی پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد معین شاہد نے اپنے مہربانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنی صحافتی زندگی پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی۔

معین شاہد نے آخر میں ڈاکٹر مغفور احمد اعجازی کے قومی، سماجی، مذہبی اور لسانی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب صحیح معنوں میں شمالی بہار میں اردو کی خدمت کر رہے ہیں، مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ موصوف اس پیرانہ سالی میں جوش و خروش اور لگن کے ساتھ اردو زبان کے حقوق دلانے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔

آخر میں مشاعرہ کا دور شروع ہوا جس میں ایک درجن شعراء نے حصہ لیا جن میں صابر کریمی، زاہد بریلوی، اور شاکر کریمی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔　　　　(اصغر اعجازی)

## پل دو پل کی افتتاحی تقریب

دہلی، ۲۹ مارچ کل شام تین مورتی پبلیکیشن کی پہلی اردو کتاب "پل دو پل" (مجموعہ کلام صابر دت صاحب) کی افتتاحی تقریب مکتبہ

شاہراہ، اردو بازار میں ہوئی ساحر لدھیانوی، سردار جعفری اور جاں نثار اختر کے علاوہ منظور احمد منظور، فکر تونسوی، پرکاش پنڈت، ڈاکٹر خلیق انجم، علامہ سحر عشق آبادی، گوپال متل، گلزار دہلوی، تاجور سامری اور دیگر ادبا و شعرا نے شرکت کی۔

چائے نوشی کے بعد جناب یوسف بدستی نے شاہراہ کے دوبارہ اجرا کے علاوہ صابر دت کے مختصر مجموعہ "پل دو پل" کے نسخے پیش کیے۔ رمیش کا ر دگل (مرتب) نے صابر دت کا تعارف کرایا۔ بعد ازاں صابر دت نے اپنی نظم ملاقات سنائی اور عزیز صاحب نے ایک مشاعرے کی روداد سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ آخر میں سب ہی ادیب دوستوں نے صابر دت کو اس مختصر خوب صورت مجموعے پر مبارکباد دی۔

ساحر صاحب نے "پل دو پل" کے ایک نسخے پر حضرت جوش ملیح آبادی کا یہ دعائیہ شعر لکھ کر صابر دت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

> اللہ کرے اے مرے کمسن شعرا
> تم مجھ سے ہزار چند آگے بڑھ جاؤ
> (جوش)

(ظفر ادیب)

## صدیق نیشنل انٹر کالج پیلی بھیت میں جلسہ تقسیم انعامات

اردو سوسائٹی کی طرف سے منعقدہ مختلف مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعامات تقسیم کیے گئے۔

یہ انعامات جناب پروفیسر اطہر علی فاروقی (الہ آباد) نے اپنے دست مبارک سے طلبہ کو عنایت کیے۔

محمد انصار اللہ نظر (نگراں اردو سوسائٹی) نے پروفیسر اطہر علی فاروقی صاحب کا تعارف کرایا اور یہ بھی بتایا کہ موصوف پیلی بھیت بنجاروں کے لوک گیت جمع کرنے کے سلسلے میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے۔

پروفیسر فاروقی صاحب نے طلبہ کے سامنے مضمون نگاری کے اصول اور لوک گیتوں کی اہمیت سے متعلق ایک پر مغز تقریر فرمائی۔

آخر میں جناب سید عبد الجلیل حسنی پرنسپل صدیقی نیشنل انٹر کالج پیلی بھیت، بہ حیثیت سرپرست اردو سوسائٹی حاضرین اور خصوصیت سے پروفیسر فاروقی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور انعام پانے والے طلبا کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ آئندہ طلبا اس نوعیت کے مقابلوں میں زیادہ دلچسپی دکھائیں گے اور اپنی زبان و ادب سے زیادہ دلچسپی لیں گے۔

(محمد امین سکریٹری)

## یوپیا کی جانب سے یوم غالب

یوپیا کی جانب سے گزشتہ ماہ ایک خالص علمی، ادبی اور تفریحی پروگرام کے انداز پر یوم غالب برلا کریڈا کمندر ہال (چوپاٹی) میں منایا گیا۔ جلسہ کی صدارت ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید (پرنسپل) نے فرمائی اور جناب ظ انصاری نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔

غالب سے متعلق مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی ایک خوبصورت نمائش کا انتظام عطاء اللہ ندوی نے کیا۔

پروگرام کی ابتدا میں غالب کی ایک تصویر پر گل افشانی کی گئی ساتھ ہی پس منظر سے غالب کے مقطعے مختلف آوازوں میں ترنم اور تحت اللفظ میں پڑھے گئے۔

بمبئی یونیورسٹی کے کالج کی طالبات نے غالب کی ایک غزل کو نہایت مترنم اور شیریں آواز میں ساز و نغمہ کے ساتھ پیش کیا۔ اس کورس کے بعد غالب کی ایک غزل سعید خان نے ساز پر گائی۔

پروفیسر کامران سینٹ زیویرس کالج بمبئی نے غالب کی فارسی غزل اپنے ایرانی لب و لہجہ میں ساز کے ساتھ سنائی۔ غالب کی دوسری غزلیں بھی گائی گئیں۔

اس نغمہ طرازی کے بعد یوپیا کے صدر سید محمد زیدی صاحب نے جلسہ کے صدر ڈاکٹر خواجہ عبد الحمید صاحب سے صدارتی تقریر کی گزارش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ شاعری کے مقابلہ میں غالب کی نثر نگاری زیادہ قابل قدر چیز ہے۔ انھوں نے غالب کے ایسے خطوط کے کچھ حصے سنائے جن سے غالب کے تعلقات، ان کی وسیع المشربی اور برادرانہ محبت کے پہلوؤں پر روشنی پڑتی تھی۔ مہمان خصوصی ظ انصاری صاحب نے غالب کی حیات، شخصیت اور شاعری پر پر مغز تقریر کی۔ سکندر علی وجد صاحب نے غالب سے متعلق بر جستہ سوالات کے جوابات دیے۔

اس پروگرام کے آخری حصہ میں کالج کے طلبا کی جانب سے غالب پر دو ڈرامے پیش کیے گئے۔

ڈاکٹر آدم شیخ کے شکریہ کے ساتھ یہ یادگار جلسہ ختم ہوا۔

(ڈاکٹر سید عبد الحی رضا
معتمد اعزازی یوپیا)

UPIAS اردو، پرشین، اسلامک کلچر ہو کیے جانے والے کالج کے سابق و حالیہ طلبہ پر مشتمل ایک علمی و ادبی جماعت۔

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

# تبصرہ

وحید اختر

## سندباد

مصنف:- عمیق حنفی

ناشر:- عبدالمجید حنفی، ۸۸۸ راجہ گلی، مہچھاونی، مندور

قیمت:- ڈیڑھ روپے

عمیق حنفی اردو کے اُن شاعروں میں سے ہیں جو آزادی کے بعد منظرِ عام پر آئے، پچھلے چند برسوں میں انھوں نے اپنے نئے تجربوں اور اچھوتے اندازِ بیان سے اردو خواں حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ سندباد ان کی پہلی طویل نظم ہے، ہماری شاعری میں کلاسیکی اصناف مثنوی اور مرثیے سے قطع نظر طویل نظم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ذیل میں ہم بمشکل چند شاعروں اور چند نظموں کے نام لے سکتے ہیں، سردار جعفری کی "نئی دنیا کو سلام" اختر الایمان کی بعض طویل مختصر نظمیں، ساحر کی "پرچھائیاں" جعفر طاہر کے کینٹو، عبدالعزیز خالد کی کچھ طبعزاد نظمیں اور کچھ ترجمے اور راہی کی ۱۸۵۷ء۔ ان کے علاوہ بھی بعض شاعروں نے طویل نظمیں لکھی ہیں اور ایسی نظمیں بھی جو مختصر نظم کے فارم میں ہوتے ہوئے طویل ہیں جنھیں طویل مختصر افسانے کی طرح طویل مختصر نظمیں کہا جا سکتا ہے۔ جن طویل نظموں کا اوپر ذکر کیا ہے، ان میں سے بھی کچھ ایسی ہیں جنھیں ہم ایک ہی جیسے موضوعات پر لکھی گئی مختصر نظموں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ نہ صرف ان میں مختلف بحریں استعمال ہوئی ہیں بلکہ موضوعات بھی بدل گئے ہیں۔ ادھر بعض اساتذہ نے مثنوی کے فارم کو بھی دوبارہ برتنا شروع کیا ہے جیسے جمیل مظہری کی "آب و سراب" اور اختر انصاری کی "درد و داغ"۔ موخرالذکر نظم ابھی منظرِ عام پر بھی نہیں آئی۔

منظوم ریڈیائی فیچروں کو بھی، بشرطیکہ وہ ادب کے معیار پر پورے اتریں، اس سرمایے میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اردو طویل نظم کے اس مختصر سرمایے کو دیکھتے ہوئے عمیق حنفی کا یہ تجربہ کئی حیثیتوں سے توجہ طلب ہو جاتا ہے۔ ایک تو فارم کے لحاظ سے، دوسرے اندازِ بیان کے نئے پن کے ساتھ، موضوع کی وسعت و پیچیدگی کی وجہ سے اور تیسرے نئی دنیا کے مسائل کو نئے طرزِ احساس کے ساتھ بالواسطہ اور اشاراتی انداز میں پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی حیثیت سے۔ طویل نظم یا تو عام طور پر بیانیہ ہو جاتی ہے یا مکالماتی اور ڈرامائی یا خطیبانہ۔ اس کے موضوع و مسائل بھی بیشتر خارجی ہوتے ہیں۔ عمیق حنفی کی نظم نہ بیانیہ ہے نہ مکالماتی اور ڈرامائی، نہ خطیبانہ نہ خالص خارجی مسائل سے متعلق۔ یہ فارم کے ساتھ موضوع کو برتنے کا بھی ایک نیا تجربہ ہے۔

بادی النظر میں "سندباد" مختصر نظموں کا ایک سلسلہ معلوم ہوتی ہے، جب یہ نظم پہلی بار "فنون" میں شائع ہوئی، تب میرا بھی پہلا تاثر یہی تھا، جن لوگوں کی رائیں اس کتاب میں شامل ہیں ان میں خلیل الرحمٰن اعظمی کی رائے یہی ہے کہ یہ ایک سلسلے میں بندھی ہوئی نظموں کا سلسلہ ہے جن میں ایک فورم کی مرکزیت ہے۔ کتابی صورت میں شائع کرتے وقت شاعر نے اس نظم میں خاصی تبدیلیاں کی ہیں اور ہر حصے کی ابتدا میں اشارے دیئے ہیں ان اشاریوں کی وجہ سے نظم میں وحدت و مرکزیت تو پیدا ہو گئی ہے لیکن یہ گمان ضرور گزرتا ہے کہ یہ "اقتباسات" پہلے سے شاعر کے ذہن میں نہ تھے بلکہ ان کا اضافہ بعد میں اس مقصد سے کیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان حصوں کو لکھتے وقت صرف شاعر کا اپنا احساس اور تجربہ ہی رہنما تھا اور یہ نظمیں بالکل اوریجنل ہیں، ان اقتباسات سے نظموں کی [illegible] ایک حد تک متاثر ہوتی ہے۔ ہر حصے کی بحر بھی جدا ہے اور مسائل بھی، اس کے باوجود ان تمام ٹکڑوں کو موضوع کی مرکزیت نے مربوط کر دیا ہے اس نظم کے منظوم پیش لفظ "جہد رگاہ کی چوٹی پر" نے بھی بظاہر الگ الگ ٹکڑوں کو مربوط کرنے کا اچھا جواز پیش کیا ہے۔

کتنے بابوں سے بنتی ہے ایک کتاب
وحدت بالکثرت کی مثال
یہ تن پارہ
ایک ہے اپنے خالق ذہن کی مانند، ایک

سندباد علامت ہے نئے ذہن کی، اس بیسویں صدی کا نیا ذہن جو دو جنگوں کی بھٹی میں تپ چکا ہے اور اب بھی سلگ رہا ہے، سفر ہے روح اور ذہن کی بھول بھلیاں اور نفسیاتی خلفشار کا، خارجی دنیا کی تمام تصویریں، تمام عکس ذہن کے اس آئینہ خانے میں جھلک رہے ہیں۔ اس سفر پر نکلنے والے کے پاس نقشہ ہے نہ دوربین نہ قطب نما، مفروضات نظریے، عقائد، وعدے، نفرت، نعرے، منشور سب سمندر کی لہروں میں ڈوب چکے ہیں۔ انا کے بادبان پھٹے ہوئے ہیں، زادِ سفر ہے فکر، شعور، احساس اور ضمیر، سمندر علامت ہے ہر گھڑی بدلتی ہوئی حقیقت کی، تیز رفتار تبدیلیوں کی۔ اپنے اس ذہنی سفر میں شاعر اپنے ذہن اور دوسروں کے ذہن سے گزرتا ہے۔ یہ صرف ذہنی واردات نہیں بلکہ خارجی حقیقتوں کے تجربے ہیں جن کو پیش کرنے میں عمیق حنفی نے بڑی باریک بینی اور وسعتِ نگاہ کا ثبوت دیا ہے، نہ صرف ان کا مطالعہ وسیع ہے بلکہ ان کی نظر میں گہرائی بھی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں طویل نظم لکھنے کی بنیادی شرط ہیں۔ ان شرائط کی تکمیل کے ساتھ ان کی شدتِ احساس اور طنزیہ لہجے نے بھی اس میں دردمندی و سوگواری کی ایک لہر شامل کی ہے، اس نظم کو ایک منفرد تجربہ بنا دیا ہے۔

نظم کے بعض ٹکڑے، اس وحدت کا ایک جزو ہوتے ہوئے بھی

ساتھ ساتھ اپنی جگہ مستقل اور مکمل نظم کی حیثیت سے بھی بہت کامیاب ہیں، جیسے "شہر نا الاذہن"، "مکتب ہے سحر و شام"، "سفر کے متعلق"، "نیلا سویرا"، "جزیرے کا دل"، "مصلوب روشنیاں"، "افریقہ کی طرف"۔ اس نظم کا آخری شعر مختلف حصوں میں، چند لفظی تبدیلیوں کے ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے:

آج ایمان کا کوئی مسکن نہیں
کوئی ماوی نہیں، کوئی مسکن نہیں

یہ شعر ایک جگہ یوں بھی آیا ہے:

معبدوں کے چراغوں میں روغن نہیں
آج ایمان کا کوئی مسکن نہیں

یہی وہ وحشت، اژدہام اور [illegible] ہے جسے شاعر اس ذہنی سفر کے نتیجے میں [illegible] ڈھونڈ رہا ہے۔ مگر اس نفی سے وہ اثبات کی طرف قدم اٹھانا چاہتا ہے۔ کسی ایمان، کسی عقیدے کسی [illegible] کی تلاش۔ ابھی یہ تلاش ختم نہیں ہوئی جاری ہے [illegible] دیکھنا ہے آئندہ [illegible] شاعر اپنے اگلے سفر میں کس حد تک کامیاب رہتا ہے۔

جو لوگ جدید شاعری اور نئے تجربوں سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے یہ کتاب ایک دعوتِ فکر ہے، جو نئے تجربوں اور جدید ذہن کے اظہار کی کوششوں سے بدظن ہیں۔ وہ اگر تھوڑی سی زحمت اٹھا کر اس نظم کا مطالعہ کریں تو شاید ان کے رویے میں تبدیلی ہو۔ کہیں کہیں اس نظم میں بیان کا جو جھول اور لفظوں کے استعمال میں جو تھوڑی سی بے احتیاطی نظر آتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس نئے اور جرأت مندانہ تجربہ کی افادیت اور مشکل ہی نئے اور انوکھے تجربوں کے بیان کی کوشش کے سامنے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

---



صفحہ ۹ سے آگے

"ریاض الفصحا" کی تکمیل کے زمانے میں (۱۲۳۶ھ) ستر سال کے قریب (چھیاسٹھ برس) رہی ہوگی۔ دیوان کے دیباچے میں کتابت کی غلطی کا امکان اس لحاظ سے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۲۴ھ سے صرف تین سال قبل حکیم قدرت اللہ قاسم پورے وثوق کے ساتھ ان کے کل تین اردو دیوانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور تین سال کے مختصر عرصے میں مزید تین دیوانوں کا مرتب ہو جانا بظاہر بعید از قیاس ہے۔ ۱۲۲۴ھ کی بجائے ۱۲۳۴ھ میں دیوان کی ترتیب کے متعلق ہمارے قیاس کی تائید کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مصحفی کا کل شعری سرمایہ سات دیوانوں پر مشتمل ہے۔ اگر چھٹے دیوان کی ترتیب کا زمانہ ۱۲۲۴ھ تسلیم کیا جائے تو دیوان ہفتم کو ۱۲۲۴ھ کے بعد سے ۱۲۴۰ھ میں وفات کے زمانے تک کی تمام تخلیقات کا مجموعہ ماننا پڑے گا۔ ایسی صورت میں یہ بات بہت عجیب ہوگی کہ تین سال کے عرصے میں تین دیوان مرتب ہو گئے لیکن سولہ سال کی شعری کاوشیں ایک دیوان سے زیادہ کی متحمل نہ ہو سکیں۔

اسی طرح "ریاض الفصحا" میں بھی چونکہ مصحفی نے تیس سال کی عمر میں دہلی سے ہجرت کا ذکر کرنے کے بعد عمر کا تعین کیا ہے اور اس وقت ان کے اپنے بیان کیے ہوئے سنہ ورود کی روشنی میں انھیں لکھنؤ آئے ہوئے اڑتیس سال ہوئے تھے اس لیے یہ بات بھی قرینِ قیاس نہیں کہ ان سے قیام کی اس مدت کا اندازہ کرنے میں پورے دس سال کا سہو ہوا ہو۔

سنہ ولادت کی اس بحث کے سلسلے میں تاریخ وفات کے ایک قطعے کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ قطعہ کسی مجہول الاحوال شاعر صاحب رام کی تصنیف ہے اور مصحفی کے شاگرد غلام اشرف افسر و اشرف نے اپنے ایک دیوان میں نقل کیا ہے۔ قطعہ یہ ہے:

مصحفی چوں از جہاں رحلت نمود — بستہ نقش جلد ہفتم بر رقم
گفت صاحب رام تاریخ وفات — مصحف معنی ز دنیا گشتہ گم

امیر احمد علوی نے اپنے مضمون میں اس قطعے کے مصرعۂ ثانی کو نشان زد کر کے حاشیے میں لکھا ہے کہ "یہ تلمیح سمجھ میں نہیں آئی" واقعی مضمون بڑا پیچیدہ ہے اور بظاہر اس کے معنی پہنچانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ۱۱۷۰ھ کو سال ولادت مان لیا جائے تو اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ شاعر نے مصحفی کی عمر کے ہر دس برس کو کتاب زندگی کی ایک جلد سے تعبیر کیا ہے اور مصحفی ۱۲۴۰ھ میں اپنی وفات کے وقت اس قسم کی سات جلدیں مرتب کر چکے تھے یعنی ان کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔

---

۱؎ مجموعۂ نغز جلد دوم ۔ ۲؎ نگار، مصحفی نمبر، حاشیہ ص ۴۴

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) [illegible] پرنٹر پبلشر [illegible] نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔